ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرہ کو کیسے متاثر کرسکتا ہے؟

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد شرک اور ضلالت میں ڈوبے ہوئے سماج میں توحید کی صدا بلند کی، مکۃ المکرّمہ کے شرک زدہ ماحول میں توحید کی یہ صدا بے حد نامانوس تھی، اور اس کی زد براہ راست رؤسائے کفار کے موروثی دینِ باطل پر پڑ رہی تھی، اس لیے مخالفتوں کا ایک طوفان امڈ آیا، توحید کی صدا پر لبیک کہنے والے گنتی کے چند افراد پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، مگر ان تمام مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود قافلۂ توحید بڑھتا گیا، بالآخر مدینۃ الرسول میں ایک مثالی آئیڈیل اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔

صحابۂ کرام کا سماج ایک نمونے کا مسلم سماج تھا، اور اس کی بے شمار امتیازی خصوصیات وکمالات کی خوبیوں نے پورے عالم کو متاثر کیا اور پھر اس کے نتیجے میں مشرق تا مغرب اسلام پھیلا اور اسلام کا حلقہ اور دائرہ پھیلتا اور بڑھتا گیا، دورِ ایام سے پھر بعد کی صدیوں میں اس معاشرہ کی خصوصیات کم ہونا شروع ہوئیں اور پھر اس کی تاثیر اور مقبولیت کا گراف بھی نیچا ہوتا گیا، اور اب موجودہ صورتحال مسلم سماج کی یہ ہے کہ ہر طرف اخلاقی طاعون پھیلا ہوا ہے، اباحیت اور عریانیت، مادیت اور حیوانیت کے باب میں نمونے کا مقام رکھنے والی یوروپی تہذیب کی دریوزہ گری اور اندھی تقلید نے تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار پر تیشے چلا ڈالے ہیں، اور بقول حافظ شیرازی ''ہمہ آفاق'' پر از فتنہ وشری بینم ۔'' پوری دنیا فتنہ اور شر کی آماج گاہ بنی ہوئی نظر آتی ہے، اور حدیث نبوی کے بموجب گناہوں کی بہتات اور گندگی نے تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے، مسلم سماج کی یہ بدحالی اور بے راہ روی پورے انسانی سماج کی نگاہ میں اس کی دناءت اور رذالت کی منظر کشی کرتی ہے، اور مسلمانوں کی علمی زندگی پر نگاہ رکھنے والا انسان متاثر ہونے کے بجائے مایوس، بددل وبدگمان اور نفور وگریزاں ہوتا ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرے کو اسی وقت متاثر کرسکتا ہے جب وہ قرنِ اولیٰ (عہد صحابہ) کے مثالی سماج کی نمایاں خصوصیات اختیار کر لے اور ان سے انحراف کو اپنے لیے تباہی کی علامت اسی طرح باور کرے جس طرح صحابۃ الرسول ان خصوصیات سے کسی بھی قیمت پر دست بردار ہونا ہلاکت کے مترادف سمجھا کرتے تھے۔

صحابۂ کرام کے معاشرے کی تمام خصوصیات کا احاطہ تو دشوار ہے، تاہم ان کے روشن عناوین کچھ یوں ہیں:

(۱) موقفِ حق پر محکم یقین اور استقامت: دل کی گہرائیوں سے حق قبول کر لینے کے بعد صحابہ کو ایسا پختہ یقین اور

اپنے موقف پر ایسا ثبات واستقلال حاصل ہو جاتا تھا کہ بادِ مخالف کے کتنے ہی جھکڑ کیوں نہ چلیں، رکاوٹوں کا طوفان کیوں نہ آجائے اور مصائب ومشکلات کی بھٹیوں میں تپایا کیوں نہ جائے وہ کوئی لچک اور نرمی پیدا کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے، دشمنوں کی ترغیبات وتحریصات کا دام ہو یا تہدیدات وتشدیدات کی کارروائی، ان کے موقف میں سرِ مو انحراف نہ آتا تھا اور ان کی زبانِ حال یہ پیغام دیتی تھی:

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف ۔۔۔ کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

(۳) جذبۂ ایثار وقربانی: معاشرتی زندگی کی کامیابی کا راز ایثار وقربانی میں ہے، صحابۂ کرام کا سماج ایثار وقربانی کا آئیڈیل سماج تھا، قرآن انصارِ صحابہ کے جذبۂ ایثار کو یوثرون علیٰ أنفسهم ولو کان بهم خصاصة۔ (وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود اپنی جگہ محتاج کیوں نہ ہوں) کے الفاظ سے یہ بیان کرتا ہے، سیرتِ صحابہ میں مالی ایثار کی بے شمار داستانیں ہیں، ہجرتِ نبوی کے پُرخطر سفر کے موقع پر دشمنانِ اسلام کی طرف سے اجتماعی طور پر قتلِ رسول کی منظم پلاننگ معلوم ہونے کے باوجود حضرت علی کا آپ کے بسترِ مبارک پر آرام، اسی طرح سفرِ ہجرت کی دشوار گزاریوں میں حضرت ابوبکر کی طرف سے والہانہ طلب پر شرکت ورفاقت جانی ایثار کے عدیم النظیر نمونے ہیں، غزوات کا موقعہ ہو، حفاظتِ رسول کا موقعہ ہو، تحفظِ دین کا موقعہ ہو، ملت کی خدمت کا موقعہ ہو، ہر موڑ پر صحابہ کی قربانیوں اور ایثار کے ریکارڈ موجود ہیں، اور اسلام سے محروم انسانی سماج پر صحابہ کے اس جذبے نے کیا کیا اثرات مرتب کیے اور کس طرح وہ اسلام سے قریب آیا یہ بالکل واضح ہے۔ یہی انداز اپنائے رکھا کہ:

مری زبان وقلم سے کسی کا دل نہ دکھے ۔۔۔ کسی کو شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ سے

حضرت جابر بن عبداللہؓ کو پہلی ملاقات میں یہ نصیحت کی تھی کہ تم کبھی کسی کو برا بھلا مت کہنا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر مرتے دم تک میں نے نہ کسی آزاد کو برا کہا نہ کسی غلام کو، اور انسان تو انسان ہے کسی اونٹ اور بکری کے لیے بھی سخت کلمہ میری زبان سے نہیں نکلا، دوسروں کے درد کو اپنا سمجھنا بلکہ اپنے درد سے زیادہ اس کا احساس اور ہمہ وقت دوسروں کو نفع پہنچانے کی کوشش صحابہ کے معاشرے کا طرۂ امتیاز تھا۔

(۴) عدل ومساوات: قرآن ایسا ایمانی معاشرہ چاہتا ہے جو انصاف کا علم بردار اور مساوات کی روش پر قائم ہو، طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ اسلام کی نگاہ میں جاہلیت کی لعنت اور غلاظت ہے، ظلم اور ناانصافی امنِ عالم اور بقائے انسانی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، صحابہ کا معاشرہ عدل ومساوات کی شاہ راہ پر گامزن تھا، اس سماج میں ہر فرد عدل کا خوگر تھا، خواہ اس کی زد اس کی اپنی ذات یا اس کے والدین واقارب پر کیوں نہ آتی ہو، اسی طرح مساوات اور برابری کے لحاظ سے بھی وہ معاشرہ نمونہ کا تھا، مشہور غسانی سردار جبلہ بن اَیہم جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور طواف کے دوران ایک دیہاتی مسلمان کا پاؤں اس کے تہ بند پر جاپڑا تھا، جس پر اس نے اسے اتنی زور سے مارا کہ ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہوگیا اور خون رسنے لگا، حضرت

عمر نے فیصلہ سنایا کہ یا تو بدو کو راضی کرو یا قصاص کے لیے تیار ہو جاؤ، جبلہ نے لاکھ نرمی کا معاملہ کرانا چاہا مگر حضرت عمر نے کہا کہ اسلام شاہ و گدا کا فرق نہیں کرتا، اس کا قانون عام مساوات کا قانون ہے، بالآخر جبلہ نے کچھ مہلت لی، اور راتوں رات بھاگ کر پھر عیسائی ہو گیا، مگر اسلامی قانون عدل و مساوات پر حضرت عمر نے آنچ نہ آنے دی۔

(۵) **اجتماعیت واخوت:** صحابہ کا معاشرہ باہمی الفت و محبت میں جسم واحد کی طرح تھا، اور باہمی اتحاد و اجتماعیت ان کی کیفیت بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی طرح تھی، اوس و خزرج کی باہمی طویل خانہ جنگی اور سلسلۂ کشت وخون اسلام کی برکت سے باہمی محبت و الفت میں اس طرح تبدیل ہوئی کہ منافق اور یہود مل کر بھی اس اجتماعیت میں دراڑ پیدا نہ کر سکے، اختلاف کو ہوا دینے والی چیزوں سے، ہر طرح کی بدگمانیوں اور بے جا خدشات سے اور افواہوں پر یقین کرنے سے صحابہ کا سماج پاک تھا، اور اسی لیے اس میں مثالی اتحاد اور اخوت کا جذبہ تھا، جو دوسروں کو حد سے زیادہ متاثر و مرعوب کرتا۔

(۶) **قول وعمل کی یکسانیت:** قرآن کی صراحت کے مطابق قول و عمل کا تضاد اللہ کی نگاہ میں بے حد مبغوض عمل اور انسانی سماج کے لیے زہر قاتل ہے، معاشرے کی اصلاح کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہر فرد غازیٔ کردار ہو، حضرت عثمان غنی نے اپنا اول خطبۂ خلافت اس حقیقت کے اظہار سے شروع کیا تھا کہ آج مسلمانوں کو غازیٔ کردار رہنما کی ضرورت ہے نہ کہ غازیٔ گفتار رہنما کی، عہد صحابہ قول و عمل کی یکسانیت میں ممتاز تھا، اور اس معاشرے کا ہر فرد جو کہتا تھا سب سے پہلے اس پر عمل کر کے دکھاتا تھا، چنانچہ اس کی تاثیر یہ سامنے آتی تھی کہ گروہ در گروہ لوگ آ کر اسلام کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔

(۷) **پاکیزگی:** اسلام کا مطالبہ انسان سے ہمہ جہتی پاکیزگی کا ہے، صحابہ کا معاشرہ سر سے لے کر پیر تک پاکیزگی کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، ان کے دل و دماغ باطل خیالات اور باطنی امراض سے پاک تھے، ان کی نگاہ پاکیزہ تھی، ان کی خوراک و پوشاک پاک تھی، ان کا ماحول ظلم اور عریانیت سے پاک تھا، ان کی انفرادی زندگی کا ہر پہلو اور گوشہ پاکیزہ تھا، ان کی زبان پاک تھی، اور ان کی سیاسیت بھی مکر و فریب سے پاک تھی، شراب کی رسیا عرب قوم کو جب اس کے ناپاک و حرام ہونے کا علم ہوا تو پورا مدینہ شراب کی لعنت سے پاک ہو گیا، تاریخ صحابہ پاکیزگی کے بے شمار ہمہ جہتی نمونوں سے مالا مال تاریخ ہے۔

(۸) **ادائے حقوق:** اسلام نے بندگانِ خدا پر حقوق عائد کیے ہیں، اللہ کے حقوق کی الگ فہرست ہے، اور بندوں کے حقوق کی الگ، بلکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی نسبتاً زیادہ اہم قرار دی گئی ہے، صحابہ کی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جو اہتمام نظر آتا ہے وہ بے نظیر ہے۔

صحابۂ کرام کے قرآنی، ربانی اور ایمانی معاشرے کی بے شمار خصوصیات کے یہ روشن خطوط ہیں، اس لیے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ ان خصوصیات کو اپنائے بغیر اور اسوۂ صحابہ کی پیروی کیے بغیر انسانی معاشرے کو نہ تو متاثر کر سکتا ہے اور نہ اپنی عملی زندگی میں کامیابی اور سعادت سے بہرہ مند ہو سکتا ہے

☆......☆